عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اهمیت

ڈاکٹر فواد سیزگین

ترجمہ : ڈاکٹر خورشید رضوی

تاریخ علوم پر ڈاکٹر فواد سیزگین کے دو عربی خطبات کا ترجمہ اس سے قبل یکے بعد دیگرے ,,فکرونظر،، کے شمارہ ۲،۱ جلد ۲۴ میں شائع ہو چکا ہے۔ اب تیسرے خطبے کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ یہ خطبہ اس اعتبار سے خصوصی اهمیت کا حامل ہے کہ اس کا موضوع علم حدیث ہے جس میں ڈاکٹر فواد سیزگین کے نتائج تحقیق عالمگیر شہرت رکھتے ہیں۔'(ادارہ)

موضوع پر براہ راست گفتگو کے آغاز سے پہلے میں اجازت چاہوں گا کہ اس موضوع سے اپنے رابطے کا پس منظر بیان کر دوں۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۰ء کے درمیان، میں ابو عبیدۃ معمر بن المثنی کی کتاب ,,مجاز القرآن،، کے مطالعہ و تحقیق میں مصروف تھا کہ مجھے ابن حجر العسقلانی کے اس قول کا علم ہوا کہ بخاری (اللہ ان سے راضی ہو) ,,الجامع الصحیح،، میں ابو عبیدہ سے روایات نقل کرتے ہیں اور اس کی طرف ,,قال معمر،، یا ,,قال ابو عبیدۃ ،، کے الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں۔ پھر جب میں نے خود الجامع الصحیح کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ بخاری اس کے مختلف ابواب میں ,,مجاز القرآن،، کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ مثلاً ,,باب التفسیر،، میں کتاب ,,مجاز

القرآن،، کا بہت سا حصہ موجود ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا بخاری اس باب میں ابو عبیدہ کی کتاب کا اختصار پیش کر رہے ہیں۔

اسی دن سے یہ سوال میرے ذہن پر چھایا رہا کہ وہ کون سا محرک تھا جس نے بخاری کو ایک عالم لغت کی کتاب سے خالص لغوی مسائل اپنی جامع میں نقل کرنے پر آمادہ کیا حالانکہ اس کی غرض تالیف یہ تھی کہ صحیح احادیث نبویہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک راویوں کی مسلسل سند کے ساتھ جمع کیا جائے ۔ یہاں میرے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ آیا بخاری نے دیگر تحریری مصادر سے بھی استفادہ کیا ہے یا نہیں ؟ یعنی میرا خیال یہ تھا کہ بخاری کی جمع کردہ احادیث کی روایت صرف زبانی رہی ہے۔

جن لوگوں سے جواب پانے کی توقع تھی ان سے پوچھتا رہا ۔ ۱۹۵۱ء میں استنبول کی کانفرنس میں جن مستشرقین سے ملاقات کا موقع ملا ان سے پوچھا ۔ ۱۹۵۲ء میں قاہرہ کا سفر اختیار کیا کہ شاید علمائے ازہر میری تشنگی کو دور کر سکیں ۔ لیکن سوال کا جواب نہ مل سکا ۔ تب میں نے طے کر لیا کہ خواہ کتنا ہی وقت کیوں نہ صرف ہو میں خود اس موضوع کا خصوصی مطالعہ کروں گا ۔ یہ مطالعہ ۱۹۵۴ء میں ختم ہوا ۔ اس دوران اکثر کسی شافی حل کی طرف سے مایوسی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی رہی ۔

امید ہے مختصراً جو کچھ میں آپ کے سامنے بیان کروں گا اس سے اس مشقت کا اندازہ ہو جائے گا جو مجھے اس مقصد کے حصول کے لئے جھیلنی پڑی ۔ حالانکہ حقیقت میں یہ بالکل سامنے کی بات تھی ۔ ساری دشواری اس لئے پیش آئی کہ محدثین کے ماحول سے زمانی بعد کے سبب میں ایک الجھے ہوئے راستے پر چلتا رہا ۔

تفصیل یہ کہ میں اس زمانے میں اس مسئلے کا مطالعہ مستشرقین کی پیروی کے انداز میں کرتا تھا ۔ کیونکہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران بلاشبہ اسلامی علوم کے میدان میں زمام اقتدار انہی کے ہاتھوں میں رہی ہے ۔ سب کو معلوم ہے کہ مستشرق گولڈ زیہر (I. GOLDZIHER) بعض اہم نتائج تک پہنچا جیسا کہ علم حدیث اور اہمیت اسناد کا مطالعہ کرنے والے تسلیم کرتے ہیں ۔ اس نے اس میدان میں مختلف مقالے تحریر کئے اور ایک ضخیم کتاب ,,دراسات اسلامیہ،،

MUHAMMEDANISCHE STUDIEN (1889—1890).

کے عنوان سے ترتیب دی ۔ یہ کتاب انیسویں صدی کے اواخر میں سامنے آئی ۔ حقیقت یہ ہے کہ گولڈ زیہر نے اپنے جرمن پیشرو سپرنگر کی پیروی کی ہے اور اس کے نتائج پر ایک گمراہ کن عمارت کھڑی کر دی ہے جس کی ظاہری چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے ۔

گولڈ زیہر نے اپنی بحث کا آغاز تو یہ کہہ کر کیا ہے کہ سپرنگر نے اس باطل نظریے پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے کہ کتب حدیث کا انحصار زبانی ذرائع پر تھا ۔ تاہم گولڈ زیہر کے خیال میں دینی احتیاط پسندی نیز اسلامی فرقوں کی پابندی مسلک کے سبب بعد کے زمانے میں تدوین حدیث کو ناپسندیدہ سمجھا جانے لگا [گولڈ زیہر کے] اس قول سے وہی باطل نظریہ دوبارہ نمودار ہو گیا ۔

سپرنگر نے مستند مصادر سے جو معلومات فراہم کی تھیں ان کی بنیاد پر تو گولڈ زیہر نے یہ رائے قائم کی کہ صحیفوں اور اجزاء میں احادیث کو قلم بند کرنے کا کام عملاً اسلام کے دور اول میں انجام پا گیا تھا ۔ تاہم ذاتی مطالعے کے نتیجے میں اس کے ہاں اس موضوع پر جس خیال نے شکل پکڑی وہ کچھ یوں تھا :

,,یہ تصور کرنے سے کوئی شے مانع نہیں کہ صحابہ و تابعین نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال اور آپ سے مروی روایات کی حفاظت کرنی چاہی ۔ لہذا ضائع ہو جانے کے خوف سے انہیں قلم بند کیا ... بھلا یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اقوال رسول کو ایک ایسے معاشرے میں، محض سینہ بسینہ حفظ رہنے کے اتفاقات کے حوالے کر دیا جائے، جس میں عام لوگوں کے اقوال بھی ضبط تحریر میں لانے کا دستور تھا ؟ ،، ۔

گولڈ زیہر مزید کہتا ہے : ,,بہرحال اسلام کے دور اول تک کے حوالے سے یہ رائے درست ہے، ... تاہم اس کے بعد جو مفروضہ سامنے آتا ہے وہ کچھ زیادہ صحیح نہیں، وہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں حدیث کو ضبط تحریر میں لا کر محفوظ کرنے کے بارے میں ایک طرح کا تامّل پیدا ہو گیا ۔

گولڈ زیہر نے جو رائے قائم کی اس کی بناء پر اس نے بعد میں لکھے جانے والے مجموعہ ہائے حدیث سے متعلق روایات کو رد کر دیا اور اسی تصور پر اکتفا کر لیا کہ حدیث کی جمع و تدوین کی کوششوں کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا ۔ اس اعتبار سے گولڈ زیہر کی رائے کے مطابق صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتب حدیث کی ترتیب بھی ناقدانہ علمی طریق کار یا ایسے دقیق اور باقاعدہ طریق تصنیف کے مطابق نہیں ہوئی جس کی بنیاد، مرتبین نے اسلاف کی ان تحریروں کے انتخاب پر رکھی ہو، جو ان تک پہنچیں ۔ گولڈ زیہر کا خیال ہے کہ اس صورت حال نے ان لوگوں کو اپنے طویل سفروں میں ، زبانی احادیث جمع کرنے اور انہیں روایت کے مقابل روایت کی صورت میں رکھتے چلے جانے پر مجبور کر دیا ... اور یہی حال کتب فقہ کا بھی ہے ۔

اس ساری بحث سے گولڈ زیہر کا مقصود یہ سوال پیش کرنا تھا کہ محض زبانی روایات کی بناء پر مدوّن کئے جانے والے ان مجموعوں کی تاریخی قدر و قیمت کیا ہے نیز ان کی صحت کو کہاں تک تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟ اس کے نزدیک ان روایات کی کوئی تاریخی قدر و قیمت نہیں اور ان کی حیثیت ان ہنگامی و عصری رجحانات کی باز گشت سے زیادہ کچھ نہیں، جن میں ان کا مرتب کرنے والا محصور تھا ۔

گولڈ زیہر نے مزید یہ بھی کہا کہ ہم ہالینڈ کے عالم ڈوزی (R. DOZY) کی اس رجائیت میں شریک نہیں ہو سکتے جس کی رو سے اس نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ طویل زبانی روایت سے گذر کر ہم تک پہنچنے کے باوجود بہت سی احادیث نبویہ کی صحت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے ۔

,,زبانی روایت،، یا ,,زبانی سلسلے کا طویل سفر ،، کی اس اصطلاح کو بہت سے متخصصین صرف حدیث نبوی کی روایت ہی کے سلسلے میں نہیں بلکہ تاریخ طبری اور کتاب الاغانی جیسی کتب کے مطالعے کے دوران تاریخی و ادبی روایات کے ضمن میں بھی استعمال کرتے ہیں ۔

وہ حقائق جن تک میں ذاتی طور پر پہنچ سکا ہوں یہ ہیں کہ سرمایۂ حدیث مندرجہ ذیل مراحل سے گزرا ہے :

۱ ۔ <u>کتابت حدیث</u> :

اس مرحلے میں احادیث کو چھوٹے چھوٹے کُرّاسوں میں جمع کیا گیا جو ,,صحیفہ،، یا ,,جزء،، کہلائے ۔ یہ مرحلہ صحابہ اور اوائل تابعین رضی اللہ عنہم کے دور تک مکمل ہو گیا ۔

۲ ۔ تدوین حدیث :

اس مرحلے میں متفرق مجموعوں کو یکجا کیا گیا جس کی تکمیل پہلی صدی ہجری کے ربع اخیر اور دوسری صدی ہجری کے ربع اول کے دوران ہو گئی ۔

۳ ۔ تبویب حدیث :

اس مرحلے میں احادیث کو ان کے مضامین کے اعتبار سے ابواب و فصول میں مرتب کیا گیا ۔ اس ترتیب کا آغاز دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی میں ہوا اور یہ سلسلہ جاری رہا تاآنکہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں احادیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے اعتبار سے ترتیب دینے کا ایک اور طریقہ سامنے آیا ۔ ایسے مجموعوں میں سے ہر ایک کو ,,مسند،، کا نام دیا جاتا ہے ۔

پھر تیسری صدی ہجری میں ابواب کے اعتبار سے مرتب کی جانے والی کتابوں کی چھان پھٹک کی گئی اور ان کی تلخیص کر کے صحاح ستہ اور سنن دارمی جیسے مجموعے تیار کئے گئے ۔

ترتیب حدیث نبوی کے ارتقاء کے سلسلے میں میرے ان تصورات کی اساس مندرجہ ذیل امور پر ہے :

۱ ۔ اس میدان میں کام کے آغاز سے متعلق ہم تک پہنچنے والی معلومات ۔

۲ ۔ اُس دور کی کتابیں جو ہم تک پہنچیں ۔

۳ ۔ مواد کی چھان پھٹک ۔

یہ مآخذ وضاحت کرتے ہیں کہ اُس اولین دور میں کتب حدیث مرتب کرنے والے ـــــ ہر چند کہ بظاہر ان کی مساعی [کے نتائج] زبانی روایات ہی کے ذریعے منتقل ہوتے رہے ـــــ دراصل اپنا مواد تحریری دستاویزوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے اخذ کرتے تھے ۔

بہت سے مستشرقین کو، جن میں گولڈ زیہر بھی شامل ہے، اولین مرحلے یعنی مرحلۂ کتابت حدیث سے متعلق معلومات تک کسی قدر رسائی حاصل تھی اور اسکی صحت میں انھیں کوئی شک بھی نہ تھا ۔ گولڈ زیہر نے بعد کے مراحل میں دل چسپی لی اور تدوین اور تبویب کے آغاز سے متعلق روایات کو غلط تصورات کی بنیاد پر ھدف اعتراض بنایا ۔ لیکن معلوم ھوتا ہے کہ اس نے تدوین حدیث اور تبویب حدیث کے فرق کو نہیں سمجھا، جسکے نتیجے میں ان دونوں مرحلوں سے متعلق روایات، واضح طور پر اس کے ذھن میں گڈ مڈ ھو گئیں ۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ھوئے اور ان دلائل سے صرف نظر کرتے ھوئے جو میں اپنی کتاب ,,تاریخ التراث،، کی پہلی جلد کے اس حصہ میں پیش کر چکا ھوں جو اس موضوع کے لئے مخصوص ہے میں یہاں صرف اس قدر کہنا چاھوں گا کہ تدوین حدیث کا کام اموی عہد کے اواخر میں مکمل ھو گیا تھا اور زھری کا، جن کی وفات ۱۲۵ھ میں ھوئی ، تدوین احادیث میں بہت بڑا حصہ ہے ۔

ان علماء کے نام جنھوں نے احادیث کو باعتبار ابواب مرتب کرنے میں پہل کی بہت سے مآخذ میں آتے ھیں ۔ ان میں، مکہ سے ابن جریج (م ـــــــ ۱۵۰ھ) یمن سے معمر بن راشد (م ۱۵۲ھ) بصرہ سے ھشام بن حسان (م ۱۴۸ھ)، اور سعید بن ابی عروبۃ (م۱۵۰ھ) اور کوفہ سے سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کے نام شامل ھیں ۔ اس زمانے کی قدیم ترین کتاب جو ھم تک پہنچی ہے ,,جامع معمر بن راشد ،، ہے ۔ اسکے بعد قتادہ کی ,,کتاب المناسک،، اور ربیع بن حبیب بصری (م ۱۶۰ھ) کی ,,الجامع،، آتی ہے ۔

اب مجھے حدیث پر، یا یوں کہئے کہ علی العموم اسلامی سلسلۂ روایت پر، گفتگو کرنی چاھئے کہ اس کی شکل کیا تھی ۔ اور یہ پہلو

قرون اولی کے دوران عربی زبان میں تصنیفی تحریک کے مطالعے کے لئے بڑی اهمیت کا حامل ہے ۔ کیونکہ نقطہ آغاز یہی ہے اور اگر همیں ان روایات کی تاریخی قدر و قیمت کا سراغ لگانا ہو، جو مختلف میدانوں میں هم تک پہنچی هیں تو ابتدا یہیں سے کرنی چاهئے ۔ نیز علم الحدیث کے ایک نہایت اهم پہلو سے متعلق مسائل پر بحث کرتے ہوئے اس نقطے پر خصوصی توجہ دینی چاهئے ۔ علم الحدیث کا وہ اهم پہلو ,,تحمّل العلم،، ہے ۔ یعنی علم کے حصول یا اخذ کے مختلف طریقے ۔ یہ پہلو ایسا ہے جس میں اسلامی تہذیب منفرد ہے اور دیگر تہذیبوں میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اور مطالعۂ حدیث کے سلسلے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا بنیادی سبب یہی ہے ۔

علم حدیث کی منہجی کتابوں یعنی کتبِ اصول حدیث میں عمومی اعتبار سے ,,تحمّل العلم،، کو آٹھ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے

۱ ۔ سماع :

اس سے مراد یہ ہے کہ شاگرد یا سامع ان روایات کو سنے جو شیخ اپنے حافظے سے بیان کرے یا اپنی تحریر سے پڑھ کر سنائے ۔ اس صورت کے اظہار کے لئے ,,سمعت،، ,,عن،، یا ,,حدّثنی،، جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے هیں ۔

۲ ۔ قراءت :

اس سے مراد یہ ہے کہ شاگرد خود یا کوئی اور شخص ایک حدیث یا کئی احادیث کسی تحریر سے پڑھے یا شیخ کے سامنے اپنے حافظے سے بیان کرے در آنحالیکہ شیخ بغور سن رہا ہو اور جو کچھ بیان کیا جا رہا ہو اس کا موازنہ اپنے تحریری نسخے یا اپنے حافظے میں محفوظ روایت سے کرتا جا رہا ہو ۔

ایسی صورت کے لئے ,,اخبرنی،، یا ,,قرأت علی،، جیسے الفاظ لائے جاتے ھیں ۔

۳ ۔ اجازت :

اسکی دو قسمیں ھیں

ایک یہ کہ شیخ یا راوی کسی دوسرے کو ایک یا ایک سے زیادہ نص کے روایت کرنے کی اجازت یا اذن عطا کرے ۔

دوسرے یہ کہ اس کے حق میں کچھ تحریروں کے روایت کرنے کی، جن کے نام تفصیلاً نہ بتائے گئے ھوں، اجازت یا اذن عطا کرے مثلاً یوں کہے ,,میں نے تجھے اپنی تمام روایتوں کی اجازت دی،، ایسی صورت کے لئے عموماً ,,اخبرنی،، جیسا کوئی لفظ اور کبھی ,,اجازنی،، استعمال ھوتا ہے ۔

۴ ۔ مناولہ :

اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کو اپنی اصل تحریر یا وہ تحریر جس کا وہ راوی ہے یا اسکا کوئی ایسا نسخہ دے جس کا مقابلہ اصل سے کیا جا چکا ھو اور اس سے کہے: ,,یہ میری تحریر یا میری روایت ہے اور میں نے تجھے اسکے روایت کرنے کی اجازت دی،، ۔ اور یہ نسخہ اسکی ملکیت میں دے دے یا شاگرد پر یہ شرط عائد کر دے کہ وہ نقل کرنے کے بعد اصل نسخہ شیخ کو واپس کر دے ۔ ایسی صورت میں عموماً ,,اخبرنی،، استعمال کیا جاتا ہے اور بعض نادر حالات میں ,,ناول،، کا لفظ بھی لایا جاتا ہے ۔

۵ ۔ کتابت یا مکاتبت :

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ خود اپنی تحریر یا روایات کا ایک نسخہ تیار کرے یا کسی اور سے اسکی نقل تیار کرائے ۔

ضروری نہیں کہ ایسے موقع پر شیخ صراحت کے ساتھ اپنے شاگرد سے ,,اخبر تک،، کہے ۔ ایسی صورت میں ,,کتب الیّ ،، یا ,,من کتاب،، کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ۔

٦ ۔ اسکی صورت یہ ہے کہ شیخ کوئی تحریر دے یا کوئی روایت جس میں اس امر کا اشارہ موجود ہو کہ وہ اس سے مروی ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے اسکی روایت کا حق معلّق ہو ۔ اس نوع کا آغاز عموماً ,,اخبرنی،، یا ,,عن،، سے کیا جاتا ہے ۔

٧ ۔ وصیت :

اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی وفات سے قبل یا [کسی مقام سے] کوچ کرنے سے پہلے اپنی تحریر یا تحریروں کا حق روایت کسی کو منتقل کر دے اور اپنی طرف سے ایک وصیت میں اس امر کی توثیق کر دے ۔ ایسی صورت میں ,,اخبرنی وصیة عن،، یا ,,وصّانی،، کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ۔

٨ ۔ وجادہ :

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی تحریری دستاویز یا حدیث سے استفادہ کیا جائے قطع نظر اس سے کہ وہ ماخذ معاصر ہے یا قدیم ۔ ایسی صورت میں ,,وجدت،، یا ,,قال،، یا ,,اُخبرت،، یا ,,حُدّثت،، کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ۔

ہمارے پاس اس امر کے کافی دلائل موجود ہیں کہ ان میں سے بعض صورتیں عہد تابعین میں بھی موجود تھیں ۔ بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تک بھی ان کا سلسلہ ملتا ہے ... میں یہاں ان دلائل کی تفصیل میں جانے سے گریز کروں گا اور صرف اپنی کتاب ,,تاریخ التراث،، کے حوالے پر اکتفا کروں گا جہاں میں نے ان کا کچھ ذکر کیا ہے ۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ محقق سے یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ روایت کے مختلف طریقے زمانہ صدر اسلام میں ابھی پوری طرح طے نہیں ہو پائے تھے ۔ کیوں کہ اسی زمانے میں ہم ,,مکاتبت،، کا ذکر بھی پڑھتے ہیں حالانکہ یہ صورت واضح طور پر آئندہ دو صدیوں ہی میں سامنے آئی ۔ [,,مکاتبت،، کو ابتدا میں] ,,کتاب،، کے سادہ نام سے یاد کیا گیا ہے جس سے غلط ترجموں کی گنجائش پیدا ہوئی ــ معلوم ہوتا ہے کہ ,,مکاتبت،، اور ,,وجادہ،، کا باہمی فرق بھی غیر واضح تھا۔

قدیم تابعین نے بالعموم اسے قبول نہیں کیا چنانچہ ابن سعد کا قول ہے :

,,کان سعید بن جبیر یکرہ کتاب الحدیث،،

سعید بن جبیر کتاب حدیث [بمعنی مکاتبت حدیث] کو ناپسند فرماتے تھے،،

مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس طریقے کو عام رواج امام زہری کے زمانے سے پہلے نہیں ملا ۔ جب اموی امراء بڑے پیمانے پر اس طریقے میں مشغول ہو گئے تو امام زہری نے خود کو اسکا جواز تسلیم کر لینے پر مجبور پایا ۔ مثال کے طور پر شعبہ (م ۱۶۰ ھ) نے کہا ہے کہ تابعین میں عامر الشعبی اور عطاء بن ابی رباح کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ,,کتاب،، [یعنی مکاتبت] پر مبنی ہے ۔

جب ہم کتب حدیث کی اُن تفصیلات کا جائزہ لیتے ہیں جو قدماء کے باہمی اخذِ روایت سے متعلق ہیں اور احادیث کی اسانید میں اُن عبارتوں کو دیکھتے ہیں جن کا مقصد نقل حدیث کا اسلوب بیان کرنا ہوتا ہے تو یہ امر کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر اور دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں اخذ حدیث کا انحصار صرف ,,سماع،، اور ,,قراءت،، پر ہی نہیں تھا

بلکه ان کے پہلو به پہلو دو اور طریقے یعنی ,,مکاتبت،، اور ,,مناوله،، بھی مستعمل تھے ۔ فوقیت بہر حال اول الذکر دو طریقوں [,,سماع،، اور ,,قراءت،،] ھی کو حاصل تھی ۔

علم حدیث کی کتب خصوصاً طبقات المحدثین کی کتب اکثر ھمیں ان مشکل سفروں کا حال سناتی ھیں جو مسلمانوں نے علم حدیث کی طلب میں اختیار کئے ۔ اسی طرح وہ ان علمی سفروں کا ذکر کرتی ھیں جن کا مقصد ,,سماع یا قراءت،، کے ذریعے بہترین ممکن طریقے پر زیادہ سے زیادہ زبانی یا تحریری احادیث کی روایت کا حق حاصل کرنا تھا ۔ ایسی اطلاعات چونکه افسانوی سا انداز لئے ہوئے ھیں لہذا وہ ایک غلط فہمی کا سبب نہیں ۔ چنانچه ان کی بنا پر یه تصور کر لیا گیا که ان لوگوں پر یه ذمه داری آن پڑی تھی که وہ عالم اسلام کے اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے راویوں کے سینوں میں محفوظ احادیث کو جمع کر کے پہلی بار ان کی تدوین کا کام انجام دیں ۔ حالانکه ھمیں ایسے محدثین کا علم ہے جنھیں سینه بسینه اپنی روایت حدیث کی قدرت پر ناز تھا مگر وہ بھی تحریروں اور مدوّن مآخذ سے مدد لیتے تھے ۔ اس سلسلے میں بھی یہاں میں مثالوں سے صرف نظر کروں گا ۔

تاھم میں ضروری خیال کرتا ھوں که ,,مکاتبت،، کی کچھ وضاحت کرتا چلوں جو ,,تحمل علم،، کی ایک صورت تھی اور جسکے سبب سے اسلامی روایت کے بارے میں خاصی غلط فہمی پیدا ھوئی ۔ بلکه جدید تحقیقات میں ایک غلط تصور کے ظہور کا سب سے بڑا سبب غالباً ,,مکاتبت،، ھی تھی ۔ وہ یوں که مصادر حدیث میں بعض روایات کا آغاز ,,من کتابه،، یا ,,کتب الیّ،، [بمعنی ,,مکاتبت،،] کے الفاظ سے ھوتا ہے جن کی بناء پر یه خیال عام ھو گیا که مولّف نے

عملاً صرف انہی صورتوں میں تحریروں کو استعمال کیا ہے۔ اس سے بطور خاص اس خیال کی خامی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام وہ روایات جن کا آغاز ان کے سوا دیگر الفاظ سے ہوتا ہو محض زبانی ذرائع پر انحصار رکھتی ہیں۔

چند مثالیں اس موقع پر مناسب ہوں گی ... سنن ابی داؤد میں اس قبیل کی روایات گولڈ زیہر کی توجہ کا مرکز بنیں چنانچہ اس نے کہا ہے کہ خود ابو داؤد نے بھی وقتاً فوقتاً اپنی جامع کتاب کے مآخذ کے طور پر تحریری دستاویزوں سے کام لیا ہے اور اسی لئے اپنی کتاب میں ان احادیث کا ذکر نہیں کیا جن کی رو سے تحریر حدیث مطلقاً مکروہ ہے۔

یوسف شاخت (SCHACHT) نے امام شافعی کی عبارت :

,,من کتاب عمر بن حبیب عن محمد بن اسحاق،،

کا مفہوم یہ سمجھا کہ شافعی کی روایات ہمیشہ زبانی ذرائع پر انحصار نہیں کرتیں کیونکہ ایک خاص مثال میں ان کا ایک تحریری ماخذ سے مدد لینا ثابت ہے۔ اصطلاح ,,کتابت،، کے سلسلے میں غلط فہمی کی سب سے خطر ناک مثال وہ ہے جو گولڈ زیہر کے ہاں امام زہری کے اس مشہور قول کے مفہوم کے بارے میں ملتی ہے :

,,وکنا نکرہ کتاب الحدیث حتی اکرھنا علیہ ھولاء الامراء فرأینا ان لا نمنعہ احداً من المسلمین،،

ہم ,,کتابت،، حدیث کو ناپسند کرتے تھے تاآنکہ ان امراء نے ہمیں اس پر مجبور کیا سو ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ (اب) کسی مسلمان کو اس سے نہ روکیں،،

گولڈ زیہر نے اس روایت پر یوں تبصرہ کیا ہے کہ ,,اس اعتبار سے گویا اس خاص مقام پر زہری نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ انہوں نے اس

طور ـــ بنو امیہ کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ حکمران خاندان کے مفادات کے لئے مذہبی وسائل فراہم کر لیں،،

الغرض اس طرح کی اصطلاحات جو محدثین کے ہاں سامنے آئیں اس غلط فہمی کا سبب بنتی رہیں ۔ چنانچہ کتب حدیث میں ہمیں بہت سے سلبی احکام ملتے ہیں ۔ مثال کے طور پر یہ روایت کہ ,,سعید بن جبیر کتابت حدیث کو ناپسند کرتے تھے،، یا یہ کہ انہوں نے کہا: ,,کیا تجھے علم نہیں کہ کتابت ناپسندیدہ ہے؟،،

کتب اصول حدیث میں مصطلحات کی واضح تعریف سے صرف نظر کرتے ہوئے [یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ] احکام پر لکھنے والے بہرحال کتابیں تصنیف و تالیف کرتے تھے اور محدّثین میں جو اہل قلم ان سے پہلے ہو گزرے تھے ان کی تالیفات بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کی اصطلاحات سے ان کی مراد [سماع و قراءت سے بےنیاز ہو کر محض] تحریر و کتابت کے ذریعے روایت کا منتقل کرنا تھا ۔ مدوّن کتاب پر [فی نفسہ] انہیں اعتراض نہ تھا ۔

یہاں ہمیں سب سے پہلے ان اصطلاحات پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے جو سلسلہ ہائے اسناد میں وارد ہوئی ہیں اور درحقیقت مآخذ کا حوالہ مہیا کرتی ہیں اگرچہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد زبانی روایت ہے ۔ ان اصطلاحات کا آغاز پہلی صدی ہجری کے نصف ثانی میں ہوا ۔ اصول حدیث کی کتابوں میں انہیں ,,الفاظ،، کا نام دیا جاتا ہے ۔ یہ اصطلاحات ,,حدّثنا، أخبرنا، سمعت،، جیسے لفظوں سے عبارت ہوتی ہیں ۔ باوجود اس کے کہ یہ بہت پرانی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے [محلّ] استعمال پر اتفاق نہیں پایا جاتا ۔ چنانچہ بعض محدّثین کی عادت ہے کہ ,,نقل بالسماع،، کے لئے ,,سمعت،،

کہتے ھیں ۔ بعض کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نقل بذریعہ ,,قراءت،، ھو تو ,,أخبرنا،، کے برعکس،، حدّثنا،، کا لفظ استعمال کرتے ھیں ۔ جبکہ دوسری صدی ھجری کے نصف ثانی میں اکثریت کے ھـاں دونـوں صورتوں مین ,,اخبرنا،، ھی بہتر سمجھا جاتا تھا ۔ یہ بہر حال ان کے لئے لازمی تھا کہ اس بات کی وضاحت کریں کہ سامع تنہا تھا یا حلقہ حدیث میں اوروں کے ساتھـ تھا ۔ ایک مرتبہ امام اوزاعی کی خدمت میں ایـک شاگرد کی طرف سے جس نے ان سے بہت سی احادیث تحریر کی تھیں یہ سوال اٹھایا گیا ۔ امام اوزاعی کا جواب یہ تھا کہ جو احادیث انھوں نے تنہا اس شاگرد کو پڑھـ کر سنائی ھیں ان کے لئے ,,حدّثنی،، استعمال کرے اور جو کچھـ اس نے جماعت کے ساتھـ سنا ہے اس کا اظہار ,,حدّثنا،، سے کرے ۔ رھیں وہ احادیث جو شاگرد تنہائی میں استاد کے آگے پڑھے سو ان کے لئے ,,اخبرنی،، آنا چاھئے اور اگر جماعت میں سے ایک شاگرد استاد کے سامنے پڑھے تو اسکے لئے ,,اخبرنا،، کہنا چاھئے ۔ شاگرد نے ,,اجازۃ،، جو احادیـث حاصل کی ھوں ان کے لئے بھی ,,اخبرنا،، آئے گا جبکہ ,,قراءت،، کے لئے بعض نادر صورتوں میں ,,نبّأنا،، یا ,,انبأنا،، اور ,,کتابت،، کے لئے ,,کتب الیّ،، کے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ھیں ۔

سلسلہ ھائے اسناد میں حرف جر ,,عن،، بکثرت آتا ہے اور کسی فعل کے بغیر ۔ یہ ایک لفظ اصول حدیث میں دو کام کرتا ہے ۔ ایک طرف اس سے مراد روایت بطریق اجازت ھوتی ہے اور دوسری طرف یہ اسناد کے غیر متصل ھونے کی نشاندھی کرتا ہے ۔ مثلاً یہ عبارت کہ ,,قرأتُ علی فلان عن فلان،، یہ معنی رکھتی ہے کہ میں نے فلاں کے سامنے پڑھا جس نے بطریق اجازت حق روایت حاصل کر رکھا تھا ۔ رھی دوسری صورت سو اس کی مثال یہ اسناد ہے :

قال : ,,حدثنا وکیع عن علی بن المبارک عن یحیی عن معاذ بن جبل " یہاں دوسرا ,,عن" دو ایسے محدثین کو مربوط کر رہا ہے جن میں سے ایک کی وفات دوسرے سے ڈیڑھ سو برس بعد ہوئی ۔ اصول حدیث میں ایسی حدیث کو ,,مقطوع" یا ,,مرسل" کہتے ہیں یعنی غیر متصل اسناد والی ۔ تاریخ تالیف کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس سے مراد ایسی تحریر کا استعمال ہوا جو، بقول محدثین، نامکمّل اسناد والی ہے ۔

کئی ایک اصطلاحات ہیں جو ,,وجادہ" کا مفہوم دیتی ہیں یعنی کسی معتبر تحریر سے اقتباس جس میں مولّف کے اپنے ہاتھ کے یا کسی مشہور روایت کے نسخے کو استعمال کیا گیا ہو ۔ تاریخ تالیف کے اعتبار سے اس کی بڑی اہمیت ہے ۔

اس ضمن میں ,,قال، ذکر، وجدت" جیسی اصطلاحات متد اول ہیں اور اسی طرح بعض اور تعبیرات مثلاً ,,حُدّثت، اُخبرت، رُوی" بھی آتی ہیں، طبری نے ,,حُدّثت" کی اصطلاح ان مآخذ کے لئے استعمال کی ہے جن سے اس نے بطریق وجادہ، استفادہ کیا ۔ اور اس امر کا غالب احتمال ہے کہ طبری نے اس طور پر کئی سو مآخذ کا مواد اپنی تفسیر اور تاریخ میں شامل کیا ہے ۔

ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ بخاری نے ۱۳۴۱ احادیث کے علاوہ لغوی تاریخی اور ایسی ہی اور نوعیتوں کی بہت سی عبارات کا آغاز ,,قال، ذکر، روی" جیسے الفاظ سے کیا ۔ تاہم بخاری کا طریقۂ اخذ، طبری اور دیگر محدثین و مورخین کے طریقۂ اخذ سے یکسر مختلف ہے ۔ چنانچہ بخاری نے ایسے مواقع پر تمام راویوں کے نام حذف کر دیئے ہیں مثلاً وہ سیدھے سادے انداز میں کہہ دیتے ہیں ,,قال ابن عباس" اور اسکے بعد جو قول ہے وہ لے آتے ہیں اس عمل کو اصول

حدیث میں ,,تعلیق،، کا نام دیا جاتا ہے ۔ طبری کا طریقہ یہ ہے کہ ,,حُدّثت،، کا لفظ استعمال کرتے ھیں مگر [راویوں کے] نام حذف نہیں کرتے ۔

یہاں تک میری کوشش یہ رھی ہے کہ اصول و اصطلاحات حدیث کے مختلف موضوعات کے ذریعے یہ ثابت کر سکوں کہ اسانید کسی بھی حال میں محض زبانی روایات کا حوالہ نہیں دیتیں بلکہ مؤلفین اور ثقہ راویوں کے نام لے کر ان کی نشاندھی کرتی ھیں ۔ اور آج ھمارے پاس اس بات کے بڑے امکانات موجود ھیں کہ اُن ابتدائی مآخذ کی روشنی میں جو ھم تک پہنچے ھیں اس رائے کا ثبوت مہیا کر سکیں۔

مثلاً ھمارے لئے یہ ثابت کرنا ممکن ہے کہ طبری جب اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل اسناد لاتے ھیں :

,,حدّثنا ابن حمید قال: حدّثنا سلامة قال : حدّ ثنا ابن اسحاق،،

,,ابن حمید نے ھم سے بیان کیا کہا کہ سلامہ نے ھم سے بیان کیا کہا کہ ابن اسحاق نے ھم سے بیان کیا،، تو اس صورت میں وہ ھمیشہ محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی سے حرف بحرف اقتباس لا رھے ھوتے ھیں ۔ اسی طرح جب وہ اپنی تفسیر قرآن میں یوں کہتے ھیں ۔

,,حدّثنا محمد بن عمرو الباھلی قال حدّثنا ابو عاصم النبیل قال: حدّثنا عیسی بن میمون عن ابن ابی نجیح عن مجاھد،،

,,محمد بن عمرو باھلی نے ھم سے بیان کیا کہا کہ ابو عاصم النبیل نے ھم سے بیان کیا کہا کہ عیسی بن میمون نے ھم سے بیان کیا ابن ابی نجیح سے روایت کرتے ھوئے اور انھوں نے مجاھد سے روایت کی ۔ ،،

تو اس صورت میں وہ قرآن کریم کی اس تفسیر سے اقتباس لا رھے ھوتے ھیں جو مجاھد کی تالیف ہے اور ھم تک پہنچی ہے ۔

مختلف میدانوں میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں ۔

چنانچہ اگر آج ہم جامع کتب حدیث میں آمدہ اسانید کے ذریعے ان مولفین کا سراغ پا سکتے ہیں جن کی تحریریں ہم تک پہنچی ہیں تو باقی ماندہ معلومات بھی ہمیں اس سلسلے میں مدد دے سکتی ہیں ۔ اور ہم اسناد کے ذریعہ ان مآخذ کے مولفین کی تعیین کر سکتے ہیں جن کی تالیفات استعمال میں لائی گئی تھیں ۔ مثال کے طور پر بخاری کی یہ روایت لیجیئے :

,,حدّثنا مسلم بن ابرا ھیم ، حدثنا عبداللہ (۱) بن المبارک ،،

,,مسلم بن ابراھیم نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن المبارک نے ہم سے بیان کیا ،،

یہاں یہ وضاحت ملتی ہے کہ (۲):

,, ھذا الحدیث لیس بخراسان فی کتاب ابن المبارک املاہ علیھم بالبصرۃ ،،

,, یہ حدیث خراسان میں ابن المبارک کی تحریر میں موجود نہیں ۔ یہ انھوں نے لوگوں کو بصرہ میں املا کرائی ،، .

مطلب یہ ہوا کہ بخاری نے اپنے شیخ مسلم بن ابراھیم کی کوئی تحریر استعمال کی تھی جس کا انحصار عبداللہ (۱) بن المبارک کی تحریر پر تھا ۔

ایک اور مثال لیجئے ۔ ابراھیم بن ابی طالب امام مسلم سے سوال کرتے ہیں :

,,آپ نے اپنی کتاب صحیح میں سوید سے روایت کو کیونکر درست سمجھا؟ ،، اس پر مسلم فرماتے ہیں ،، اور بھلا کہاں سے میں حفص بن میسرۃ کا نسخہ لا سکتا تھا ؟ ،، امام مسلم کی جامع صحیح میں اس اسناد سے مراد یہ ہے کہ سوید بن سعید (م ۲۴۸ھ) حفص بن میسرہ (م ۱۸۰ھ) کی تحریر کا حوالہ دیتے ہیں ۔

لیکن اسانید میں اکثر اوقات کوئی ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا جس سے اس تحریر کے مولف کا نام معلوم ہو سکے ، جسے اس ماخذ نے استعمال کیا تھا جو آج ہمارے ہاتھ میں ہے۔ مثلاً ہم بخاری کے ہاں یہ اسناد پاتے ہیں ۔ ,, حدثنا عبداللہ بن محمد قال : حدثنا عبدالرزاق قال : أخبرنا معمر بن همام عن أبی هريرة،، عبداللہ بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہا کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا کہ معمر بن ہمام نے ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی ،، اب یہ سارے نام جانے پہچانے ہیں اور یہاں جن لوگوں کا ذکر آ رہا ہے سب کے سب صاحب تالیف ہیں ۔

چونکہ اس ابتدائی زمانے میں قدیم علماء ان مآخذ سے قریب العہد تھے لہذا ان کی شناخت ان کے لئے ممکن تھی اور وہ اسانید میں آنے والے ناموں کے حوالے سے اکثر کتب کا سراغ پا سکتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے ہمیں محض چند سرسری اشارات مہیا کئے ہیں اور وہ بھی بڑی نادر صورتوں میں ۔

بنا بریں، کتابوں میں درج اسناد کے ذریعے مآخذ کا باہمی ربط دریافت کرنے کے لئے ہمیں اپنا راستہ خود تلاش کرنا ہوگا ۔ نیز وہ ٹکڑے جو ہم تک پہنچے ہیں اور زمانہ صدر اسلام کی ان کتابوں کے معلوم ہوتے ہیں جو ناپید ہو چکیں ان کا ثبوت مہیا کرنا ہوگا ۔ اس طرح ہم ان میں سے بعض تالیفات کو مکمل طور پر ازسر نو بھی وجود میں لا سکتے ہیں ۔

اس ضمن میں ہمیں کتابوں کا مطالعہ مندرجہ ذیل طریقے پر کرنا چاہئے: جس کتاب کے براہ راست مآخذ کی تحقیق مطلوب ہو اس کی تمام اسانید کو الگ الگ ٹکڑوں کی صورت میں جمع کر لیا جائے اور ان ٹکڑوں کو قریب ترین راویوں کے ناموں کے اعتبار سے ترتیب دے لیا

جائے ۔ پھر ہم اولین مشترک نام سے آغاز کرتے ہوئے دوسرے افراد کو زیر غور لائیں اور مزید مشترک ناموں کا کھوج لگائیں، جو نام آخری ہو سو زیر بحث کتاب میں استعمال کئے جانے والے مآخذ کے مولف کا نام ہوگا ۔ اور اگر پہلے نام کے علاوہ راویوں کے ناموں میں اشتراک ہی نہ ہو اور اس سے آگے نام مختلف ہو جاتے ہوں تو پھر یہ پہلا ہی شخص اس ماخذ کا مولف ہے جسے استعمال کیا گیا اور اسکے مواد کی بنیاد مختلف مآخذ پر ہے۔ اور اگر، مثال کے طور پر، نام دوسری یا تیسری کڑی تک مشترک ہوں تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ آغاز کے مشترک نام راویوں کے ہیں اور آخری مشترک نام ــــ جس سے آگے مختلف نام آ جاتے ہیں ۔ وہ ماخذ کے مؤلف کا نام ہوگا ۔

الغرض جب ہم ابتداءً کسی بھی کتاب کے مآخذ متعین کرنا چاہیں تو ہمارے لئے ان مآخذ کی بنیادیں معلوم کرنا انہی ٹکڑوں سے اور اسی طریقے پر ممکن ہوگا ۔ امام بخاری کی کتاب پر تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے نوے فیصد مآخذ ان کے شیوخ کے تھے اور انھوں نے شاذ و نادر ہی ایسے مؤلفوں کی تحریریں استعمال کی ہیں جو ان سے دو یا تین نسل پہلے کے تھے ۔ اس کے برعکس طبری کے مآخذ زیادہ قدیم زمانے تک جاتے ہیں ۔

علاوہ ازیں اس طرح کی تحقیق سے ہم مؤلف کے طریق کار کے ایک خاص پہلو کا بھی سراغ مہیا کر سکیں گے کہ مؤلف اپنے مواد کی ترتیب اور تیاری میں سابقہ مواد کا کس حد تک التزام کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بخاری کے ہاں محض اختصار ہے کیونکہ فی الواقع انھوں نے اپنا مواد اپنے سے پہلے کی نسل کی تقریباً دو سو کتابوں سے اخذ کیا اور یہ سب ترتیب مواد کے سلسلے میں بہت دور رس پیشرفت کا آئینہ دار ہے۔ جبکہ مسلم کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ انھوں نے تقسیم مواد تو اپنے سے پہلے کی نسل سے اخذ کی لیکن وہ اپنا مواد جہاں تک ممکن ہوتا، زیادہ قدیم مصادر سے اخذ کرتے تھے۔

الغرض اسلامی سرمایہ کتب کے اولین مصادر کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لئے شرط یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے تو ان فاسد آراء کے اثر سے آزاد ہوں جن کی رو سے اسناد کا ظہور دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا اور راویوں کے نام دل سے گھڑ لئے گئے۔ علاوہ ازیں لازم ہے کہ قرون اولی کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ہم ان میں ملنے والے راویوں کے ناموں کی نہایت تفصیلی فہرستیں تیار کریں۔ پھر باعتبار اسانید، ان فہرستوں کا وسیع بنیادوں پر موازنہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مطبوعہ خطبے میں ,,علی بن المبارک،، ہے۔ تصحیح کے لئے دیکھئے: صحیح البخاری طبع بولاق مصر ۱۳۱۱ھ ۳:۱۳۰ (کتاب فی المظالم والغصب، باب اثم من ظلم شیئا من الارض)

۲۔ یہ وضاحت صحیح بخاری میں شامل ہے۔ دیکھئے حوالہ بالا۔